بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

النبا العظیم

(۲۱)

اس وقت تو میری اور بھائی حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم کی گفتگو ختم ہوئی اور بات آئی گئی ہوگئی لیکن بعد میں مطالعہ کا اور غور و فکر کا زیادہ موقع ملا۔ تو معلوم ہوا کہ فقہ کے مسائل کی طرح کفو کے معاملہ میں بھی ایک دو نہیں متعدد آراء ہیں۔ مثلاً سب سے پہلی بحث تو یہی ہے کہ کفاءت کن چیزوں میں معتبر ہے؟ اکثر علماء کے نزدیک کفاءت چار چیزوں یعنی دین، حریت، نسب اور صناعت (پیشہ) میں ہونی چاہئے: امام شافعیؒ نے ان پر ایک اور چیز یعنی عیوب سے خالی ہونے کا اضافہ کیا ہے۔ بعض حضرات فقہاء نے ایک چھٹی چیز یعنی خوش حالی (لیسار) کا اضافہ فرمایا ہے۔ پھر جن حضرات کے ہاں صرف چار چیزیں معتبر ہیں ان میں باہم اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے ہاں دین میں کفاءت کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ نشہ کا عادی اس حد تک نہ ہو کہ باہر نکلے تو گلی کے چھوکرے اس کا مذاق اڑائیں۔ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک کفاءت صرف دین، نسب اور مال میں معتبر ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ان کے نزدیک بھی یہی تین چیزیں معتبر ہیں۔ اور دوسری روایت میں فقط دین اور پیشہ کا اعتبار فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے بعض اصحاب کا ارشاد ہوا کہ کفاءت عمر میں بھی ہونی

چاہئے۔ یعنی جوان ہوں تو دونوں سادھیڑ یا بوڑھے ہوں تو دونوں۔ امام مالک کی رائے ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دین میں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ یعنی اگر کوئی لڑکی اپنا نکاح غیر کفو میں ولی کی اجازت کے بغیر کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف و کثرت آراء کا عالم وہی ہے جو آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل، امام ابو یوسف کے نزدیک جائز لیکن ولی کو حق ہے کہ اگر چاہے تو فسخ کرادے۔ اور امام محمد کے نزدیک نکاح نہ منعقد ہے اور نہ غیر منعقد۔ بلکہ معلق رہے گا ولی نے اجازت دیدی تو نافذ ورنہ ختم۔ اس مسئلہ میں احتمالات عقلیہ بھی تین ہو سکتے تھے اور ہر امام نے ان میں سے ایک ایک کو اپنے لئے اختیار فرمالیا۔

کتب فقہ میں کفو کے بارہ میں جو کچھ ہے ہم نے اس کا لب لباب اور مغز نقل کر دیا ہے۔ اب اس سب کو سامنے رکھ کر سوچئے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک امام مالک ہیں جو فرماتے ہیں کہ کفاءت یعنی برابری صرف اسلام میں ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لا فضل لعربی علی العجمی ..... الی آخرہ فرما کر تمام امتیازات ختم کر دیئے ہیں لیکن امام مالک کے برخلاف اور تمام فقہاء حسب ونسب صنعت و حرفت۔ دولت وثروت وغیرہ میں بھی کفاءت مانتے ہیں۔ آپ سمجھے اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ امام مالک فقہائے حجاز و مدینہ کے سرخیل و سالار قافلہ تھے اور مدینہ کا معاشرہ سادہ بیرونی اثرات سے پاک وصاف اور یک رنگ تھا۔ اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہاں سماجی اونچ نیچ کا پتہ نہ تھا (اور الحمد للہ کہ عربوں کی یہ خصوصیت آج تک ان میں باقی ہے) اس کے برخلاف عراق کا معاملہ (جیسا کہ ایک موقع پر پہلے بھی اس کا ذکر آچکا ہے) حجاز مقدس اور خصوصاً مدینہ منورہ سے مختلف تھا۔ یہاں مختلف تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کی باہم آمیزش کے باعث سماجی اور معاشی حالات اس قسم کے پیدا ہوئے کہ حسب ونسب اور پیشہ وغیرہ کی بنیاد پر اسلامی سماج کی تقسیم کے خیالات اس حد تک عام اور

ذہنوں میں راسخ ہو گئے کہ فقہائے کرام بھی ان کو نظر انداز نہیں کر سکے۔

اس سلسلہ میں سب سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ فقہا اپنے مسلک کی تائید میں عموماً فرماتے ہیں کہ کفو حق ولی کا ہے اس بنا پر لڑکی ولی کے حق میں مداخلت کی مجاز نہیں ہے۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ کفو حق ولی کا نہیں بلکہ خود لڑکی کا ہے۔ کیوں کہ غیر کفو میں نکاح کے ثمرات و اثرات اگر کسی حیثیت سے ناگوار ثابت ہوئے تو ان کی پہلی اور براہ راست زد تو خود اس لڑکی پر پڑتی ہے نہ کہ ولی پر۔ پس جب ایسا ہے تو پھر ولی کی وجہ سے اس لڑکی کے حق نکاح کو مقید کرنے کے کیا معنی۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کا وقت آجائے تو ان میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ ایک نماز۔ دوسری جنازہ اور تیسری یہ کہ بے شوہر عورت کو جب کفو مل جائے۔ اس آخری جز کے اصل الفاظ یہ ہیں: "ولا یم اذا وجدت کفوا"۔ ملاحظہ کیجئے یہاں فعل پانے کی نسبت عورت کی طرف ہے نہ کہ اس کے ولی کی طرف۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ایک مرتبہ ایک لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجہ سے کر دیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس کے بھتیجہ میں جو خساست اور دناءت ہے اس کو میرے ذریعہ دور کر دے۔ "یرفع بی خسیستہ" یعنی لڑکی کو شکایت یہ تھی کہ باپ نے اس کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کو اختیار دیا کہ وہ اگر چاہے تو نکاح کو باقی رکھ سکتی ہے اور اگر چاہے تو اس کو فسخ بھی کر سکتی ہے۔ یہ ارشاد نبوی سن کر لڑکی بولی "حضور! اب میرے باپ نے جو کچھ کیا ہے میں اس کو جائز رکھتی ہوں۔ اس شکایت سے میرا مقصد عورتوں کو یہ بتا دینا تھا کہ نکاح کے معاملہ میں باپ کو (جبر کا) کوئی حق نہیں ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل ترتیب ساعاتی کتاب النکاح)

چنانچہ علامہ ابن قیم (اعلام الموقعین) فرماتے ہیں: "ایک بالغہ لڑکی تصرفات مالیہ میں بالکل خود مختار ہے۔ کوئی ولی بھی ان میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نکاح

جو حقِ نفس ہے اس میں وہ خود مختار نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ کی طرف سے ان کے مسلک کے استدلال میں عام طور پر ایک روایت حضرت عائشہ کی بیان کی جاتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جس کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر یا غیر کفو میں نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ "باطل ہے" کے الفاظ تین مرتبہ فرمائے لیکن اس روایت کی صحت کا یہ عالم ہے کہ دار قطنی نے اس کو نقل کیا اور پھر راویوں پر نقد و جرح کر کے روایت کی تضعیف کی ہے۔ پھر سب سے زیادہ عجیب بات ہے کہ جیسا کہ قاضی ابن رشد (بدایۃ المجتہد کتاب النکاح) نے لکھا ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہ سے منقول ہے لیکن اس کے باوجود ان کی اپنی رائے اس کے خلاف ہے۔ مزید برآں یہ کہ روایت کے سلسلۂ اسناد میں ابن شہاب زہری بھی ہیں لیکن جب ان سے ایک مرتبہ اس کی نسبت دریافت کیا گیا تو انھوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ پس ایک طرف اس روایت کی کمزوری کا یہ عالم ہے اور دوسری جانب عورتوں کے اختیار سے متعلق ہم نے اوپر جو روایت نقل کی ہے وہ منفرد نہیں، بلکہ اسی نوع کے اور متعدد واقعات ہیں جن کی تصحیح محدثین نے کی ہے اور وہ کتب حدیث میں مندرج ہیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ساری باتیں اس وقت کے لئے ہیں جب کشمکش ہو اور اس کے باعث قانونی حق کا سوال پیدا ہو۔ یا کسی خاص وجہ سے کوئی غیر معمولی صورت حال پیش آگئی ہو۔ ورنہ عام حالات میں اسلام کی تعلیمات اور اس کے مطابق معاشرہ کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح لڑکی اور اس کے ولی دونوں کے باہم تعاون اور اشتراک سے ہونا چاہئے۔ لڑکی ایسی سرپھری اور سرکش نہ ہو کہ ماں باپ سے پوچھے اور ان کی اجازت کے بغیر جہاں چاہے اپنی مرضی سے رشتہ کر لے۔ اور اسی طرح والدین کو صحیح معنوں میں لڑکی سے استیذان کرنا چاہئے۔ ہمارے ہاں عام طور پر استیذان کا جو طریقہ مروج ہے وہ ناکافی ہے۔ اسی طرح رشتہ کے وقت کفو یعنی دونوں کی ہمسری۔ جس کے باعث عربی میں "یزوج" اور "لی ذھبہ" انگریزی میں

PAIR اور اردو میں "جوڑا" کے الفاظ کا بجا طور پر اطلاق ہوسکے اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے تجربہ شاہد ہے کہ کسی "ناگہانی حادثہ" کے باعث جہاں اس کا خیال رکھنے کا موقع نہیں ملتا وہاں عام طور پر انجام اچھا اور خوشگوار نہیں ہوتا۔

مسلمانوں میں شادی بیاہ کے معاملہ میں جو بے اعتدالیاں عام ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نکاح کے بعد فوراً رخصتی نہیں ہوتی اور دونوں میں کئی کئی ماہ کا بلکہ کبھی تو برس دو برس کا فصل ہو جاتا ہے، یاد رکھنا چاہیئے کہ خیر! منگنی کی بات تو دوسری ہے لیکن نکاح کے بعد جب دونوں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے۔ پھر کسی کے لئے ان کے درمیان حائل ہونا جائز نہیں ہے۔ شریعت کا کوئی حکم مصلحت اور منفعت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں بھی مصلحت یہ ہے کہ نکاح کے بعد اگر رخصتی نہ ہو تو فریقین ایک نفسیاتی کشمکش، ذہنی اضطراب و پراگندگی اور اندرونی الجھن میں گرفتار ہو جائیں گے اور اس کا اثر لازمی طور پر ان کی صحت پر بھی پڑے گا بعض حالات میں اس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کی زندگی ان کے لیے یا ان کے گھر والوں کے لئے ایک المیہ بن کر رہ جائے۔

اس سلسلہ میں دو واقعات سنیئے جو بڑے عبرت آفریں ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ تو اس زمانہ کا ہے جب کہ میرے عہد شباب کا دورِ اولین تھا اور میں آگرہ میں مقیم تھا۔ یہاں میرے ایک عزیز اور بے تکلف دوست تھے جن کو قریشی کہتا تھا۔ بی اے پاس کر کے انھوں نے ایل۔ ایل۔ بی۔ میں داخلہ لیا تھا۔ اسی زمانہ میں ان کے ایک چچا جو یو۔ پی۔ گورنمنٹ میں اعلیٰ اور بڑی آن بان اور شان کے افسر تھے اور آگرہ سے کافی دور ایک ضلع میں تعینات تھے۔ انھوں نے قریشی کے ساتھ اپنی ایک لڑکی کا نکاح کر دیا اور طے یہ پایا کہ صاحبزادے جب امتحان پاس کرلیں گے تو رخصتی ہوگی۔ ادھر یہ ہوا کہ قریشی نہایت ذہین اور ہونہار نوجوان تھا، کبھی آج تک کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوا تھا، لیکن نکاح بغیر رخصتی نے اس کو ایک ایسی ذہنی پراگندگی میں مبتلا کر دیا۔ کہ ایل۔ ایل۔ بی۔ کے سال اوّل میں ہی ناکام ہو گیا۔ قریشی نے ہر چند چاہا کہ رخصتی ہو جائے